اس بارہ میں بلحاظ قوت نقد و نظر ممتاز نظر آتے ہیں۔ اس امر کی نشاندہی ابن کثیر نے بھی کی ہے۔ لیکن خاموشی برتی ہے[18]

۳۔ آیت کریمہ البقرۃ ۱۸۶۔ واذا سالك عبادي عني فاني قريب کی شان نزول کے تحت کئی روایتیں ملتی ہیں۔ ان میں سے ایک بحوالہ بغوی، قاضی صاحب نے نقل کی ہے مگر اس کے ساتھ گہری اور صریح تنقید بھی فرمائی ہے۔ اصل الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

قال البغوي: روى الكلبي عن ابي صالح عن ابن عباس قال قال يهود المدينة يا محمد كيف يسمع ربنا دعاءنا وانت تزعم ان بيننا وبين السماء مسيرة خمسمائة عام وان غلظ كل سماء مثل ذلك فنزلت هذه الآية۔ قلت والظاهر ان تشريف السائل بالاضافة الى نفسه في قوله تعالى (واذا سالك عبادي) يابى ان يكون السائل يهوديا متعنتا في السوال والله اعلم[19]

بغوی کا قول ہے۔ کلبی نے ابی صالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ مدینہ کے یہودیوں نے کہا تھا۔ اے محمدؐ ہمارا پروردگار کیسے ہماری دعا سن پاتا ہے۔ جب کہ تم کہتے ہو۔ ہمارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور مزید یہ کہ ہر آسمان کا حجم اسی قدر ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ سائل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت دے کر جو شرف اپنے الفاظ (وہ اذا سالک عبادی) میں بخشا ہے وہ کسی سرکش یہودی کے سائل ہونے کی تردید کرتا ہے

ایسی برمحل اور مبصرانہ تنقید کا کہیں اور آپ کو نشان نہیں ملنے کا۔

نواب علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے منسوب اس قول یہود کو نقل ضرور کیا ہے۔ لیکن اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لطف یہ کہ متعدد اقوال میں سے کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی صورت پر بھی وہ غور نہیں فرماتے جب کہ شوکانی کی فتح القدیر میں اس قول کا سرے سے ذکر نہیں[20]

اس آیت شریفہ میں (فانی قریب) کے معنی مفسرین نے جو بیان کیے ہیں کہ اس سے مراد قربت علمی ہے کہ باری تعالیٰ سے کوئی شے پوشیدہ نہیں۔ اسے بیضاوی تمثیل قرار دیتے ہیں۔ کہ افعال عباد اور ان کے اقوال و احوال کا جو کامل علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اسی کی توضیح قرب مکانی رکھنے والی شے کے حال سے تمثیل کے پیرایہ میں کی گئی ہے۔

اس افادہ پر ہمارے قاضی ہندی علیہ الرحمہ قطعاً مطمئن نہیں ہوتے اور بجا طور پر فرماتے ہیں:۔

قلت وهذا التاويل منهم مبني على ان القرب عندهم منحصر في القرب المكاني والله تعالى منزه عن المكان ومماثلة المكانيات والحق انه سبحانه قريب من الممكنات قربا لا يدركه بالعقل بل بالوحي او بالفراسة الصحيحة وليس من جنس القرب المكاني ولا يتصور شرحه بالتمثيل اذ ليس كمثله شيء و اقرب التمثيلات ان يقال قربه الى الممكنات كقرب الشعلة الجوالة بالدائرة الموهومة فان الشعلة ليست داخلة في الدائرة للبون البعيد بين الموجود الحقيقي والموجود في الوهم وليست خارجة عنها ولا عينها ولا غيرها وهو اقرب الى الدائرة من نفسها حيث ارتسمت الدائرة بها ولا وجود لها في الخارج بل في الوهم بوجود تلك النقطة في الخارج والله اعلم ١٢

مفسرین کی اس تاویل کا مبنی یہ ہے کہ ان کے نزدیک قرب سے صرف قرب مکانی مراد ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات "مکان" سے منزہ ہے اور مکانیات کی مماثلت سے بھی منزہ ہے۔ تب حق یہ ہے کہ باری تعالیٰ سبحانہٗ ممکنات سے قریب ایسے قرب کے ذریعہ ہے جس کا ادراک عقل سے نہیں بلکہ وحی اور فراست صحیحہ سے ہوتا ہے۔ یہ قرب از قبیل قرب مکانی نہیں ہے۔ اور بذریعہ تمثیل اس کا بیان متصور نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ وہ (لیس کمثلہ شیء) ہے۔ تب قریب ترین تمثیل اس طرح کہنا ہے کہ ممکنات سے اس کا قرب مانند شعلہ جوالہ کے قرب کے ہے۔ جو اس شعلہ کو موہوم دائرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ شعلہ جوالہ داخل دائرہ نہیں۔ اس لئے موجود حقیقی اور موجود فی الوہم کے درمیان بڑا المبا فاصلہ ہے ویسے یہ شعلہ دائرہ سے خارج بھی نہیں۔ وہ نہ تو عین دائرہ ہے نہ غیر دائرہ اور وہ دائرہ سے قریب تر بھی ہے بہ مقابلہ اپنی ذات کے۔ اس لئے کہ دائرہ اس سے مرتسم ہوتا ہے حالانکہ دائرہ کا وجود خارج میں نہیں بلکہ وہم میں ہے بہ سبب اس نقطہ کے جو خارج میں وجود رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

اس تمثیل سے قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمۃ کی دقت احساس و نظر کا جوہر کھل کر سامنے آتا ہے۔ کہ وہ قاضی بیضاوی کی تمثیل کو من وعن تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ اس سے پیدا شدہ وہم تک کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

اور چاہتے ہیں کہ باری تعالیٰ کی تنزہ شان کا تقاضہ ملحوظ رکھا جائے اور تمثیل میں قرب مکانی کا شائبہ تک نہ رہ جائے۔ ایسا صرف اسی نہج پر چل کر ہو سکتا تھا۔ جو قاضی ہندی نے اپنی قوت فکر سے نکالا اور پھر ایسی تمثیل شعلہ جوالا کی اپنے دائرہ موہومہ سے قربت کی پیش کی ہے۔ جس سے ان کی داعیہ تفہیم کی شدت اور کمال احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

۴۔ آیت شریفہ۔ وعلم آدم الاسماء (بقرہ ۳) کی تفسیر قاضی علیہ الرحمہ نے پوری مستعدی کے ساتھ تمام اقاویل کا احاطہ فرماتے ہوئے کسی ایک قول کی تردید کے بغیر اپنے ذوق و وجدان یا گویا فراست صحیحہ کے نتیجہ میں یہ بات کہہ دی ہے کہ الاسماء سے اسماء الٰہیہ مراد ہیں یہاں اس پوری بحث کا نقل کرنا دشوار ہے۔ لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اس تاویل کے سلسلہ میں قاضی علیہ الرحمہ نے تفسیری اصول وضوابط یا آداب مفسرین میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ کا اثر (علم اسم کل شیئ حتی القصعة والقصیعة) کی بھی مناسب توجیہ فرمائی ہے۔ غرض شدت احتیاط کے باوجود جو تاویل شرح وبسط سے پیش فرمائی ہے وہ لائق مطالعہ ہی نہیں بلکہ ان کے تدبر و تفکر کا ثمر شیریں ہے[۲۲] مگر قاضی صاحب کی اس مختار تاویل سے نواب علیہ الرحمہ بہت برہم ہیں فرماتے ہیں۔

وقال فی المظہری: وعندی ان اللہ علم آدم الاسماء الالٰہیة کلہا ثم رجح ھذا الکلام طویل وھو غیر راجح مع ما فیہ من البعد والتکلف ولم یقل بہ احد من المفسرین ویاباہ ظاہر النظم وسیاقہ[۲۳]

قاضی صاحب کا موقف یہ ہے کہ ہر موقع تفسیر کی اقاویل میں سے کوئی ایک بھی مرفوع نہیں اور ایسی بات بھی نہیں ہے کہ کوئی قول معنی میں مرفوع کے ہو بلکہ یہ سب تاویلات تھیں ورنہ اقوال میں اتنا اختلاف نہ ہوتا البتہ قول ابن عباسؓ کو بھی قاضی صاحب نے تاویلات میں شامل کر دیا ہے بس ایک یہی بات کسی قدر احتیاط کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس لحاظ سے کہ قاضی صاحب کی مجوزہ تاویل اور ان اقاویل میں نسبت "تنافی" نہ مجموعی طور پر ہے نہ الگ الگ اکائیوں کی شکل میں، مذکورہ ایراد بھی ختم ہو جاتا ہے۔ ایسی شکل میں قاضی صاحب کا قول گویا اقاویل سابقہ کا "تتمہ" یا تکملہ قرار پا سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ مفسرین میں سے کسی نے وہ بات نہیں کہی جو قاضی صاحب نے کہی ہے۔ مگر یہ اعتراض خود قاضی علیہ الرحمہ نے آپ ہی کیا ہے اور اس کا جواب بھی اطمینان بخش دیا ہے۔ اسی طرح نظم وسیاق سے اس کا میل نہ کھانا تو اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ نیز متقدمین کے متعینہ اقوال کے بارہ میں بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے اور بظاہر اس کا جو جواب ہوگا وہی قاضی مرحوم کے سلسلہ میں بھی تشفی بخش جواب قرار پائے گا۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ ان کا شمار ہم متقدمین میں نہیں کر سکتے۔ اس ستلہ

میں حافظ ابن کثیر کی نگاہ دور تک گئی ہے۔ اور انہوں نے حضرت انسؓ کی طویل روایت میں سے " وعلمك اسماء کل شئ فاشفع لنا الی ربك"[۲۴] کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فدل ھذا علی انه علمه اسماء جمیع المخلوقات[۲۵] مگر اس کے ساتھ بہ قاعدہ الاہم فالاہم اگر اسماء الہیہ کے علم اجمالی کو بھی جوڑ لیا جائے تو بظاہر مانع کیا ہے۔ اور جب منافات نہیں تو قاضی علیہ الرحمہ نے گویا اقوال مفسرین کا تکملہ فراہم کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل فرمائی۔ اسے غیر راجح قرار دینے کے لئے (لم یقل بہ احد) کوئی دلیل نہیں۔ اور خلاف نظم قرآنی بتانا بھی شاید انصاف سے بعید ہے۔ واللہ اعلم

اقتباسات و ملخصات کی مزید پیش کش سے صرف نظر کرکے، اس ظلوم وجہول کی ناقص سمجھ میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی تفسیر نویسی اور تفسیر المظہری کی بعض خصوصیتیں جو آسکی ہیں ان کی تلخیص نذر قارئین ہے۔

الف۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علوم و افادات کی نور آگیں فضا میں مدارج تکمیل طے کرنے والوں میں حضرت قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی یگانہ ہستی ہر لحاظ سے ممتاز ہے۔ تفسیر قرآن کے سلسلہ میں ان کی نظر کی وسعت اور فکر کی گہرائی میں کسی طرح تنگیٔ و کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تفسیر نویسی کا سب سے اہم مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ ارشادات ربانی کے سمجھنے میں قاری دشواریوں سے کم سے کم دوچار ہوئے بغیر فائز المرام ہو جائے۔ بجائے اس کے کہ جملہ لسانی و لغوی مباحث و آراء کا دفتر کھول کر سامنے رکھ دیا جائے روایات و آثار کی بھرمار تنقیح و تحقیق کے بغیر کی جائے۔ اور تدبر و فہم قرآن میں ممتاز علماء راسخین کے اقاویل شمار کئے جائیں۔ زیادہ مفید یہ ہوتا ہے کہ متعلقہ آیت کے سلسلہ میں جامعیت کے ساتھ تفسیری وجوہ و اقاویل کا پس منظر ان میں سے قابل ترجیح وجہ و قول کی نشاندہی کے ساتھ آجائے۔ اور خود مفسر کا اختیار کردہ قول و مسلک بھی ترجیحی اسلوب، مدلل پیرایۂ بیان اور پر اعتماد لہجہ میں مذکور ہو۔ اسی طرح قاری کے فہم و بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اس کو خود بھی پرکھنے اور جانچ کرنے کا سلیقہ حاصل ہوتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ علیہ الرحمہ کی کسی رائے سے ہمیں اتفاق ہو یا اختلاف۔ ان کی یہ خصوصیت بہت سارے مفسرین میں ان کو ممتاز کر دیتی ہے کہ وہ جہاں اپنے اختیار کردہ قول پر روشنی ڈالتے ہیں وہاں ان میں بلا کی خود اعتمادی۔ لہجہ و بیان کی صراحت، استدلال نقلی و ذوقی کی متانت، نقد و ایراد میں عارفانہ و فاضلانہ جرأت کی صفتیں برہ تناسب سے ابھر آتی ہیں اور اپنا وزن منوا لیتی ہیں۔ اور یہ وہ بنیادی صفات ہیں جن کی بنا پر ان کا مقام طبقہ علیائے مفسرین کی صف میں متعین ہوتا ہے۔

ب۔ اس میں شبہ نہیں کہ قاضی صاحب تصوف اور خصوصاً حضرت مجدد کے افکار و آراء سے پوری

طرح آراستہ ہی نہیں بلکہ کاملاً اسی ماحول کے پروردہ اور بہترین نمائندہ و ترجمان ہیں لہذا جا بجا مناسب موقعوں پر تصوف و صوفیہ کے نقطۂ نظر کا انطباق یا اس سے انتساب نور یا توجیہات و انجذابات صوفیہ کا ذکر درمیان میں آجانا باعث استعجاب نہیں۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ایسے مواقع پر حضرت قاضی علیہ الرحمہ تصوف کے تابع بن کر قرآنی اسلوب کے ظاہری و معنوی حقائق کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں یا خود تصوف کو قرآن کا تابع قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک اس عاجز نے پڑھا اور سمجھا ہے قرآن کے اصل الاصول کی کسی حیثیت کو اس کی حقیقی و فطری جگہ سے گھٹانے کے سلسلہ میں ان کی مبصرانہ احتیاط آڑے آجاتی ہے۔ مثلاً:-

فخذ اربعة من الطیر (بقرہ ۲۶) کی تفسیر میں قاضی بیضاوی کا قول نقل فرما کر اس کی مناسبت سے اپنے ذوقی نقطۂ نظر کی صراحت کرتے ہیں لیکن آخر کلام میں یہ الفاظ بھی ثبت فرماتے ہیں :-

وھذہ کلمات من اھل الاعتبار لا مدخل لہا فی التفسیر واللہ اعلم (بقرہ ۲۶)

اسی طرح واذ قال ابراھیم رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی (البقرہ ۲۶) کے ذیل میں تفسیری مباحث کا خلاصہ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور کہیں کسی پہلو سے ضعف نظر آیا تو اس کی بھی وضاحت فرمائی پھر خاتمہ میں اپنے ذوقی اختیار کی تفصیل اس طرح درج کی ہے کہ اہل ذوق کی تسکین ہو ورنہ خواہ مخواہ جس کے پلے کوئی بات نہ پڑتی ہو اس کو اختیار ہے کہ قاضی صاحب کی ذاتی پسند کو چھوڑ کر بقیہ افادات سے مستفید ہو۔ اس موقع پر آپ کے یہ الفاظ ملتے ہیں :-

والتحقیق عندی ما قالت الصوفیہ العلیۃ ان لاھل اللہ تعالیٰ فی السلوک مقامات الخ

علی ھذا القیاس آیت شریفہ ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام (بقرہ ۲۱۹) کی تفسیر میں اہل السنہ کا مجمع علیہ قول مفصل طور سے نقل کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں :-

ولاصحاب القلوب فی تلک الآیات سبیل اُخر اور اس کو واضح الفاظ میں بیان کرنے کے بعد بحث کا خاتمہ یوں کرتے ہیں وھذا امر من لم یذقہ لم یدر ومن دری لا یمکنہ التعبیر عنہ کما ھو بل تختبط افہام السامعین فیفہمون غیر مرادہ فعلیکم بالسکوت عنہ والایمان بہ ولیس لاحد ان یفسرہ الا اللہ ورسولہ ﷺ ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر منصفانہ روش اور کیا ہو سکتی ہے۔

اسی ذیل میں حیاۃ خضر پر قاضی علیہ الرحمہ کا اختیار کردہ قول و استدلال لائق ذکر ہے آپ جانتے ہیں کہ نفس مسئلہ میں خود محدثین کے اندر دو فریق ہیں۔ مگر غلبہ اثبات کرنے والوں کا ہے قاضی علیہ الرحمہ

باوجود اس کے کہ جامعیت میں بے نظیر ہیں بہ صراحت لفظ و قوت استدلال "حیات خضر" کا انکار فرماتے ہیں ان کے دلائل احادیث صحیحہ و موقوفہ پر مبنی ہیں۔ البتہ اس غلط فہمی کے پھیلنے اور قول اثبات کے غلبہ پانے کے سلسلہ میں انہوں نے جو عقدہ کشائی کی ہے وہ صرف تصوف کا عطیہ ہے فرماتے ہیں:۔

" والظاهر ان الخضر علیه السلام لو کان حیا فی زمن النبی صلی الله علیه وسلم ما اعتزل عن صحبته فانه کان مبعوثا الی الناس کافة ۔ ولهذا قال علیه السلام ۔ لو کان موسیٰ حیا ما وسعه الا اتباعی رواه احمد والبیهقی فی شعب الایمان فی حدیث جابر وسینزل عیسیٰ بن مریم ویقتدی برجل من المسلمین کذا روی مسلم فی حدیث ابی هریرة عن جابر ولا یمکن حلّ هذا الاشکال الا کلام المجدد للالف الثانی فانه حین سئل عن حیاة الخضر علیه السلام ووفاته توجه الی الله سبحانه مستعلما من جوابه عن هذا الامر فرأی الخضر علیه السلام حاضرا عنده فسأله عن حاله فقال انا والیاس لسنا من الاحیاء لکن الله سبحانه اعطی لارواحنا قوة نتجسد بها ونفعل بها افعال الاحیاء من ارشاد الضال و اغاثة الملهوف اذا شاء الله وتعلیم العلم اللدنی واعطاء النسبة لمن شاء الله تعالیٰ الخ وهذا الکشف الصحیح اجتمع الاقوال وذهب الاشکال والحمد لله الکبیر المتعال"[۳۰]

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ حضرت قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں تصوف و کشفیات سے حتی الامکان تعمیری خدمت لینے کی سعی فرمائی ہے وہ شریعت کو طریقت میں گم کر دینے کے حامی نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں میں خط فاصل کا لحاظ رکھتے ہوئے حسب موقع کچھ نکتوں کی توضیح و توجیہہ فرماتے ہیں۔

(ج) فہم قرآن کے سلسلہ میں ان کی ایک اصطلاح (الفراسة الصحیحه الاسلامیه) کی ہے[۳۱]

ماخذ اس کا بظاہر قرآن حکیم کی وہ بے شمار آیتیں جو تدبر و فکر فی الآیات الالہیہ کی دعوت دیتی ہیں نیز معنوی حدود میں (اتقوا فراسة المومن) کو بھی اہل نقد و نظر محدثین نے حدیث قرار دیا ہے۔ اس کی تشریح مجمع بحار الانوار وغیرہ میں دیکھئے۔ اور یہ وہی قوت فکری ہے جسے " فراست ایمانی " سے تعبیر کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کی مراد غالباً اسی قلبی بصیرت و باطنی نور سے ہے۔ جو مطالب صحیحہ کے ادراک میں معاون ہوتی ہے

اور احتمالات کے دھندلکے میں راجح پہلو کو عیاں کرتی ہے۔

د۔ مجموعی طور پر اس کی تفسیر کی یہ خصوصیت ملحوظ رکھنے کی ہے کہ یہ صرف مختلف مکاتیب فکر و نظر کے اقاویل پیش نظر نہیں کرتی۔ بلکہ تفسیر کی تنقیدی صلاحیتوں کے نو بہ نو پہلوؤں کی انفرادیت اور خاص فضا میں پروردہ و بالیدہ فکر و نظر کی قیمتی ثروت کو نمایاں کرتی ہے۔ وہ بھی اس شان سے کہ روایتی و درایتی دونوں طرز و روش میں مفسر کی وہ ریاضت بڑی حد تک عیاں ہوتی ہے جو اعتدال کی راہ ہموار کرتی اور دکھاتی ہے۔

حواشی: ۔ ۱۔ الیانع الجنی، علی ہامش کشف الاستار (دیوبند) ص۲۷۔ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۱۱۴

۲۔ اکسیر فی اصول التفسیر، مطبوعہ نظامی پریس کانپور ۱۲۹۱ھ ص ۱۰۳۔ ۳۔ ایضاً

۴۔ فتح البیان ج ۱ ص ۷ ۔ ۵۔ ایضاً ص ۸ ۔ ۶۔ المظہری ج ۱ ص ۸۴ ۔ ۷۔ انوار التنزیل (البقرہ) دیوبند ۱۳۱۱ھ ص ۸۴ ۔ ۸۔ الکشاف، البقرہ مصر ۱۳۵۴ھ ج ۱ ص ۷۷ ۔ ۹۔ مدارک التنزیل ج ۱ ص ۴۵

۱۰۔ تفسیر فتح القدیر مصر ۱۳۴۹ھ ج ۱ ص ۴۷ ۔ ۱۱۔ فتح البیان ج ۱ ص ۱۳۱

۱۲۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر۔ علی ہامش فتح البیان ج ۱ ص ۱۹۳ ۔ ۱۳۔ مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۵۷۱

۱۴۔ شیخ زادہ، سورۃ البقرہ ص ۳۳۱ ۔ ۱۵۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۴ ۔ ۱۶۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۴

۱۷۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۶۳ ۔ ۱۸۔ تفسیر ابن کثیر، علی ہامش فتح البیان ج ۲ ص ۱۰۸ ۔ ۱۹۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۰

۲۰۔ فتح البیان ج ۱ ص ۲۴۰ ۔ فتح القدیر ج ۱ ص ۱۶۱ ۔ ۲۱۔ المظہری ج ۱ ص ۲۰۱ ۔ ۲۲۔ المظہری ج ۱ ص ۵۰

۲۳۔ فتح البیان ج ۱ ص ۸۳ ۔ ۲۴۔ صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۸۶ ۔ ۲۵۔ تفسیر القرآن العظیم، علی ہامش فتح البیان ج ۱ ص ۱۲۵ ۔ ۲۶۔ المظہری ج ۱ ص ۳۷۳ ۔ ۲۷۔ المظہری ج ۱ ص ۳۷۱ ۔ ۲۸۔ المظہری ج ۱ ص ۲۴۹

۲۹۔ ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۰۹ ۔ ۳۰۔ المظہری ج ۶ ص ۶۱ ۔ ۳۱۔ المظہری ج ۱ ص ۲۴ و ۲۰۱ ۔ ۳۲۔ مجمع بحار الانوار ج ۴ ص ۱۱۶ ۔

(نوٹ) اس مقالہ کی پہلی قسط نومبر ۸۵ء کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے۔

طلباءِ علمِ حدیث کیلئے خوشخبری

شرح معانی الآثار المعروف بہ طحاوی شریف کی اردو شرح

ایضاح الطحاوی

شرح از: مولانا شبیر احمد قاسمی فاضل دیوبند

صفحات ۶۳۲ ، سائز ۳۶×۲۳/۱۶

قیمت جلد اول از کتاب الطہارت تا باب رفع یدین ۱۰۵/- علاوہ محصول ڈاک، ڈاک سے منگانے والے حضرات ۵۰/- کا منی آرڈر پیشگی ارسال کریں

ملنے کا پتہ

مکتبہ رشیدیہ قاری منزل پاکستان چوک کراچی، پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۲۰۰

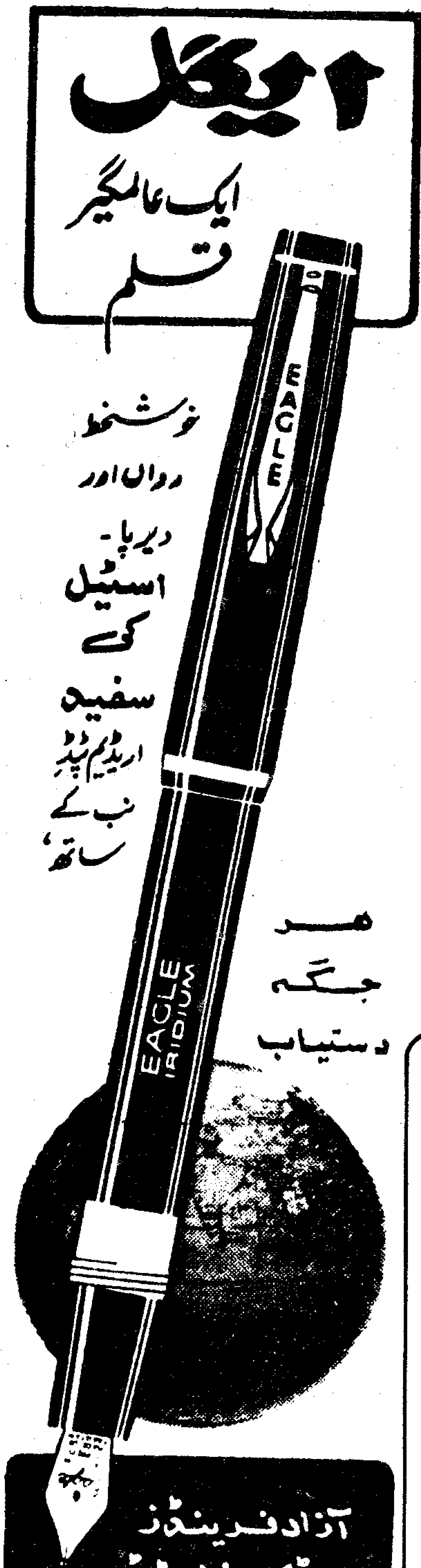

قومی خدمت ایک عبادت ہے
اور
سروس انڈسٹریز اپنی صنعتی پیداوار کے ذریعے
سال ہا سال سے اس خدمت میں مصروف ہے

Servis
قدم قدم حسین قدم قدم آرام

Safety MILK
THE MILK THAT
ADDS TASTE TO
WHATEVER
WHEREVER
WHENEVER
YOU TAKE
YOUR SAFETY
IS OUR Safety MILK

حضرت مولانا مدرار اللہ مدرار نقشبندی

بحث و تحقیق

قرآنی آیات کا ترجمہ اور اخبارات

مشہور مصنف، محقق اور عالم ربانی حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی زید فیضہم نے راقم کے نام ایک خط بھیجا ہے جس میں اس امر پر نہایت رنج و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ بعض اخبارات قرآنی آیات کا اردو ترجمہ کچھ اس انداز سے شائع کر رہے ہیں گویا یہ ترجمہ مستقل قرآن ہے۔ موصوف نے علالتِ طبع کی بناء پر راقم کو ارشاد فرمایا کہ فقہ حنفی کی روشنی میں اس مسئلے پر محققانہ بحث کر کے اس کے مفاسد واضح کیے جائیں۔ چنانچہ ذیل میں اسی مسئلے کا تحقیقی جائزہ پیش کر رہا ہوں ——— (مدرار) ———

قرآن اللہ تعالیٰ کی وہ آخری کتاب ہدایت ہے جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوئی ہے اور اس کی وضاحت متعدد آیاتِ کریمہ میں کی گئی ہے جس میں کسی قسم کے شک و شبہ کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی عربی نظم یعنی عربی عبارت کے بغیر کسی عجمی زبان مثلاً اُردو، فارسی وغیرہ میں صرف اس کے ترجمے پر قرآن کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ عربی متن کے بغیر صرف ترجمہ شائع کرنا جائز ہے یا حرام؟

ان دونوں سوالوں کا جواب فقہائے امت نے بڑی وضاحت کے ساتھ دیا ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا ترجمہ قرآن کی اصل عبارت کا تابع ہے، اور ترجمے پر قرآن کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اور قرآنی آیات کا صرف ترجمہ شائع کرنا خواہ وہ کتاب کی صورت میں ہو یا اخبارات میں ہو، باجماعِ امت حرام اور ممنوع ہے۔

بعض اخبارات میں قرآنی آیات کا اُردو ترجمہ خبر کے طور پر دوسری خبروں کے ساتھ ملا کر شائع کیا جاتا ہے اور یہ قرآن کی عظمتِ شان کے صریحاً منافی ہے، علاوہ ازیں اخبارات ردی کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں جس سے ترجمۂ قرآن کی شدید بے حرمتی ہو جاتی ہے۔ عجمی زبانوں مثلاً اردو، فارسی، انگریزی وغیرہ میں قرآن کریم کا صرف ترجمہ